OPEN ACCESS *RUSHD* (Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies) **Published by:** *Lahore Insititute for Social Scicnces, Lahore.*	ISSN (Print): 2411-9482 ISSN (Online): 2414-3138 *July-Dece-2023* *Vol:* 5, *Issue:* 1 **Email:** journalrushd@gmail.com **OJS:** https://rushdjournal.com/index

Muhammad Nauman Asghar[1]

مصنوعی تخلیقِ زر، تحقیقی وتنقیدی جائزہ

A Research and Critical Review of Artificial Money Creation

Abstract

Money plays a fundamental and crucial role in any economic system. It is an extremely important part of our economic system. Money refers to that commodity which is accepted as a medium of exchange for goods and services, and no one can refuse to accept it. In ancient times, various commodities were used as currency, among them metals like gold and silver gained more popularity and remained in use as a medium of exchange for thousands of years. After that, a period came when instead of metals, the use of paper currency became prevalent, and to this day, paper currency is more popular and accepted worldwide. It is essential to understand the role of banks in creating artificial money, how it increases the supply of money, and what negative effects it has on the economy and nations. The current money system is entirely deceitful and deceptive, benefiting only a few individuals, while most

1 Alumni, University of Management and Technology, Lahore

developing countries and nations around the world are burdened by this artificial system. This article clarifies how money is being created in the modern era, who has the authority to create it, and what impact it has on our lives and financial system.

Keywords: Money, Banks, Financial System, Creation

تمہید:

کسی بھی معاشی نظام میں زر بہت بنیادی اور اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ہمارے معاشی سسٹم کا ایک انتہائی اہم حصہ ہے۔ زر سے مراد وہ چیز ہے جسے اشیاء وخدمات کے معاوضے کے طور قبول کیا جاتا ہو اور کوئی بھی شخص اس کے لینے سے انکار نہ کرتا ہو۔ ماہرین معاشیات زر یا کرنسی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> "کرنسی ہر وہ چیز ہے جو بطور آلہ تبادلہ کے استعمال ہو، قدر کا پیمانہ ہو، اس کے ذریعے دولت کو محفوظ کیا جاتا ہو، اسے قبول عام حاصل ہو اور قانونی طور پر اسے "آلہ تبادلہ" کے طور پر تسلیم کیا گیا ہو۔"[1]

پہلے زمانوں میں اجناس بطورِ زر استعمال ہوا کرتی تھیں، پھر ایک زمانہ آیا کہ لوگوں نے مختلف دھاتوں کو بطورِ زر استعمال کرنا شروع کر دیا اور ان دھاتوں میں بھی زیادہ مقبولیت سونا اور چاندی کو حاصل رہی جو کئی ہزار سال تک بطورِ آلہ تبادلہ مستعمل رہی۔ اس کے بعد ایک زمانہ آیا کہ ان دھاتوں کی بجائے کاغذی کرنسی کا رواج ہونے لگا اور آج تک یہی کرنسی پوری دنیا میں مقبول ہے۔[2]

---

[1] ۔ عصمت اللہ، ڈاکٹر، زر کا تحقیقی مطالعہ (ادارۃ المعارف: کراچی، 2009)، ص 45
"Ismatullah, Dr, Zar ka Tahqeeqi Mutala (Idara-e-Ma'arif, Karachi, 2009), 45"

[2] ۔ تقی عثمانی، فقہی مقالات (میمن اسلامک پبلشرز: کراچی، 2011)، 1: 15

موجودہ زر یعنی کاغذی کرنسی کا رواج بینک کے وجود میں آنے کے بعد شروع ہوا۔ بینکنگ سسٹم کو ہمارے نظامِ معیشت میں بہت اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ بینک کی بہت سی ذمہ داریوں میں سے ایک زر کی تخلیق ہے۔ بینک قرض کا لین دین کیسے کرتا ہے اس سے تو ہم واقف ہیں لیکن بینک زر کی تخلیق کس طرح سے کرتا ہے اور کیسے اس کی رسد میں اضافہ کرتا ہے اور پھر اس سے معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اس سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم تخلیقِ زر کے عمل اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عواقب و نتائج کو سمجھیں تاکہ اس دجالی معیشت و تہذیب کے دجل و فریب پر مبنی نظام کے نقصانات اور منفی اثرات ہم پر آشکار ہو سکیں اور ہمیں علیٰ وجہ البصیرت اس بات کا علم ہو کہ موجودہ نظامِ زر سراسر دھوکہ اور فریب ہے جس سے صرف چند افراد فائدہ اٹھا رہے ہیں، جبکہ دنیا کے اکثر ترقی پذیر ممالک اور اقوام اس مصنوعی نظام کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم موجودہ نظامِ زر کے چند اہم پہلو اور خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جس سے اس نظام کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

کاغذی کرنسی:

اس وقت دنیا میں جو مصنوعی زر تخلیق ہو رہا ہے اس کا ایک بڑا سبب کاغذی کرنسی ہے۔ اس سے پہلے دنیا میں سونا اور چاندی بطور کرنسی موجود تھے جو حقیقی زر ہے، لہٰذا اس کی مصنوعی طور پر تخلیق ممکن نہ تھی اور اسی وجہ کئی ہزار سال دنیا میں صرف حقیقی زر موجود رہا ہے۔ کاغذی کرنسی آنے کی وجہ سے مصنوعی طور پر زر کی تخلیق ممکن ہو سکی۔ اسے ہم چند نکات میں سمجھتے ہیں:

1۔ کاغذی کرنسی ایک مصنوعی اور غیر حقیقی زر ہے، کوئی حقیقی زر نہیں۔ حقیقی زر ہم اسے کہیں گے جس کی اپنی کوئی مالیت ہو اور اس کی کوئی ذاتی قدر ہو جسے دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہو۔ جیسے سونا اور چاندی کہ ان

"Taqi Usmani, Fiqhi Maqalaat (Maiman Islamic Publishers, Karachi, 2011), 1:15"

کی اپنی مالیت ہے اور اس کی قدر کو پوری دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے قانونی ٹینڈر کی حیثیت حاصل نہیں۔ اس کے بالمقابل اگر ہم کاغذی کرنسی کا جائزہ لیں تو اس کی اپنی ذاتی کوئی قدر نہیں۔ یہ صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جس میں قدر حکومت کے اسے قانونی ٹینڈر بنانے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ مثلاً پاکستانی کرنسی ملک سے باہر دنیا میں کسی اور جگہ قابلِ قبول نہیں سمجھی جاتی۔

2۔ جب بھی کسی ریاست کو ملکی نظام چلانے کے لیے قرض کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اس ملک کے مرکزی بینک سے رجوع کرتی ہے۔ مرکزی بینک کاغذ پر خوبصورت سی چھپائی کر کے نوٹ چھاپ کر حکومت کے حوالے کر دیتا ہے۔ پھر اس کے بدلے حکومت بانڈ چھاپ کر قرض کی دستاویز کے طور پر مرکزی بینک کو دے دیتی ہے۔ اور جو نوٹ چھاپے گئے تھے اسے حکومت مختلف بینکوں میں جمع کروا دیتی ہے۔ اس طرح سے نیا زر تخلیق ہو جاتا ہے۔ اسے ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں: فرض کیجیے کہ پاکستان کو ملکی امور چلانے کے لیے بیس ارب روپے درکار ہیں۔ حکومت سٹیٹ بینک آف پاکستان سے بیس ارب روپے کا قرض مانگتی ہے جسے منظور کر لیا جاتا ہے۔۔ اب بینک بیس ارب روپے چھاپ کر حکومت کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کے بدلے حکومت بیس ارب روپے کے بانڈز چھاپ کر سٹیٹ بینک کو دے دیتی ہے۔ یوں پاکستانی حکومت بیس ارب روپے وصول کر کے اپنے مختلف اکاؤنٹس میں جمع کروا دیتی ہے۔ اس طریقے سے بیس ارب روپے کی خطیر رقم سرکولیشن میں آجاتی ہے اور اسے باقاعدہ قانونی ٹینڈر کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس مثال میں ہم نے دیکھا کہ بیس ارب روپے مالیت کا زر کتنی آسانی سے تخلیق ہو گیا۔ اس کے لیے صرف کاغذ اور مخصوص قسم کی سیاہی درکار تھی۔ یہ کتنا آسان ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کو پرنٹ کیا، اس پر 5000 لکھا اور وہ اتنی ہی مالیت کا قانونی ٹینڈر بن گیا۔

اگر ہم امریکہ کی بات کریں تو ان کی نوٹ چھاپنے والی فیڈرل اتھارٹی کے بورڈ آف گورنر ہر سال ٹریژری ڈیپارٹمنٹ کو آرڈر کرتے ہیں کہ وہ مخصوص تعداد میں ڈالر چھاپ دیں۔ سال 2024ء کے

لیے انہوں نے 180.5 بلین ڈالر سے 204.4 بلین ڈالر تک مالیت کے نوٹ چھاپنے کے آرڈر کیے ہیں جو کہ ایک بہت بڑی رقم ہے۔[1]

3۔ نوٹ چھاپنے کا بہت نقصان ہے۔ اس کا ایک نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کرنسی کی قدر گر جاتی ہے۔ ایک روپیہ بھی اگر نیا تخلیق ہو گا تو اس کی وجہ سے باقی سارے نوٹوں کی قدر گر جائے گی۔ جب کسی بھی ملک کا مرکزی بینک نئے نوٹ چھاپتا ہے تو وہ خفیہ طور پر لاکھوں کروڑوں عوام کی ملکیت میں موجود نوٹوں کی قدر کو جبری طور پر گرا دیتا ہے۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس عمل سے بینک عوام کی دولت کا ایک حصہ چرا لیتا ہے اور یہ ایک ایسی چوری ہے جس کا کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور جس کی کوئی شکایت بھی نہیں کرتا۔ پاکستان سمیت دنیا کے تمام ممالک میں یہی طریقہ رائج ہے کہ ہر ملک کا سٹیٹ بینک بڑی تعداد میں نوٹ چھاپ کر اسے سرکولیشن میں لے آتا ہے جس کی وجہ سے کرنسی کی رسد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور مجموعی طور پر کرنسی کی قدر گر جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ پھر مہنگائی کی صورت میں نکلتا ہے۔

4۔ کبھی تخلیقِ زر کا یہ سارا عمل کمپیوٹر پر ہوتا ہے اور حقیقی طور پر کاغذی کرنسی چھاپی ہی نہیں جاتی۔ ہوتا یوں ہے کہ جب حکومت بینک سے قرض کا مطالبہ کرتی ہے تو سٹیٹ بینک حکومت کے اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم کا اضافہ کر دیتا ہے، جبکہ حقیقت میں نہ ہی کوئی کرنسی چھاپی گئی اور نہ ہی اسے حکومت کو دیا گیا۔ اس طرح سے زر تخلیق ہو جاتا ہے۔ فرض کیجیے کہ حکومت کو بیس ارب روپے کی ضرورت تھی تو بینک نے کرنسی نوٹ چھاپنے کے بجائے کمپیوٹر پر چند اعداد بدل کر حکومت کے اکاؤنٹ میں بیس ارب روپے کا اضافہ کر دیا۔ چونکہ اس صورت میں حقیقی طور پر کرنسی کی تخلیق ہوئی ہی نہیں لہذا یہ بیس ارب روپے مصنوعی طور پر تخلیق کیے گئے اور اس زر کا دنیا میں کہیں بھی وجود نہیں۔

[1] https://www.federalreserve.gov/paymentsystems/coin_currency_orders.htm.

5۔ ایک عجیب بات کاغذی کرنسی میں یہ بھی ہے کہ دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں زر کی سپلائی کا زیادہ تر حصہ محض کمپیوٹر پر اعداد کی شکل میں موجود ہوتا ہے اور بہت کم حصہ حقیقی زر کی صورت میں دستیاب ہوتا ہے۔ فرض کریں کہ اگر پاکستانی روپے کی ٹوٹل سپلائی 50 کھرب روپے ہو تو اب ہونا تو یہ چاہیے کہ اتنی ہی مالیت کا زر حقیقی شکل میں بھی موجود ہو۔ مگر عملی طور پر ایسا نہیں ہوتا اور بہت ہی کم نوٹ حقیقی شکل میں دستیاب ہوتے ہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ ان 50 کھرب میں سے بمشکل 10 کھرب حقیقی شکل میں دستیاب ہوں گے باقی 40 کھرب محض کمپیوٹر پر اعداد کی صورت میں کھاتوں میں موجود ہوں گے۔

اگر امریکی کرنسی ڈالر کی بات کریں تو اس وقت پوری دنیا میں 2.347 ٹریلین ڈالر سرکولیشن میں ہیں۔[1] لیکن ظاہر ہے کہ اس ٹوٹل زر کا صرف چند فیصد ہی حقیقی کرنسی کی شکل میں موجود ہو گا جبکہ باقی زر کا کوئی حقیقی وجود نہیں۔ وہ صرف کھاتوں میں اعداد کی صورت میں موجود ہے۔

فریکشنل ریزرو بینکنگ:

مصنوعی طور پر تخلیقِ زر کا ایک بڑا سبب بینکنگ سسٹم کا وہ طریقہ کار ہے جسے ہم فریکشنل ریزرو بینکنگ (Fractional Reserve Banking) کے نام سے جانتے ہیں اور یہ طریقہ دنیا کے تمام بینکوں میں رائج ہے۔ بینکوں میں مصنوعی تخلیقِ زر اسی اصول کے تحت ہوتا ہے اس لیے اس سسٹم کو جاننا بہت ضروری ہے۔ فریکشنل ریزرو بینکنگ ہمارے نظامِ معیشت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ اس سسٹم میں اتنے مفاسد اور خرابیاں ہیں کہ پوری دنیا کی معیشت اس کی وجہ سے زوال پذیر ہو سکتی ہے۔ ماضی میں اس طرح کے مالی بحران رونما ہو چکے ہیں کہ کئی بینک اس کی وجہ سے دیوالیہ ہو گئے اور بہت سے ملکوں کو اپنی معاشی پالیسی پر نظرِ ثانی کرنی پڑی۔ مقامِ حیرت ہے کہ دنیا کے نامور معیشت

[1].https://ycharts.com/indicators/us_currency_in_circulation#:~:text=Basic%20Info,0.99%25%20from%20one%20year%20ago.

دان اور سیاست دان اس سسٹم پر تنقید کرتے رہے لیکن پھر بھی یہ سسٹم اسی طرح رائج ہے اور مصنوعی طور پر زر تخلیق کیے جارہا ہے۔

فریکشنل ریزرو بینکنگ کا مفہوم یہ ہے کہ بینک لوگوں کے ڈیپازٹ کا ایک مخصوص تناسب الگ سے ریزرو میں رکھ کر باقی رقم دوسروں کو قرض پر دے کر نیا زر تخلیق کرے۔

فریکشنل ریزرو بینکنگ کے طریقہ کار کو ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ فرض کریں کہ کسی شخص کے پاس ایک کروڑ روپے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ اسے بینک میں جمع کروائے۔ وہ ان روپیوں کو لے کر بینک کے پاس جاتا ہے۔ بینک ایک کروڑ روپے وصول کرکے اس شخص کا اکاؤنٹ کھولتا ہے۔ ایک کروڑ روپے اس کے کھاتے میں لکھ دیے جاتے ہیں۔ بینک عند الطلب ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے۔ اب بینک کے پاس ایک کروڑ روپے ہیں: کھاتے میں بھی اور حقیقی صورت میں بھی۔

اس کے بعد بینک ایک کروڑ روپے میں سے دس لاکھ الگ سے محفوظ کرلیتا ہے اور باقی نوے لاکھ بطورِ قرض دینے کے لیے تیار ہے۔ ایک شخص کو گاڑی خریدنے کے لیے نوے لاکھ روپے قرض چاہییں۔ بینک اسے نوے لاکھ روپے قرض دیتا ہے، وہ شخص جاکر شوروم سے گاڑی خریدتا ہے۔ شوروم کا مالک نوے لاکھ وصول کرکے پھر اسی بینک میں جمع کرادیتا ہے۔ اب بینک کے پاس کھاتے میں ٹوٹل ایک کروڑ نوے لاکھ روپے جمع ہوگئے: ایک کروڑ وہ جو پہلے شخص نے جمع کروائے تھے اور نوے لاکھ وہ جو دوسرے شخص نے جمع کروائے۔

اب بینک نوے لاکھ میں سے دس فیصد یعنی 9 لاکھ الگ سے محفوظ کرلیتا ہے اور باقی اکیاسی لاکھ قرض دینے کے لیے کسی اور کسٹمر کی تلاش میں ہے۔ ایک شخص کو فلیٹ خریدنے کے لیے اکیاسی لاکھ روپے چاہییں۔ وہ بینک سے اکیاسی لاکھ قرض لیتا ہے۔ فلیٹ کا مالک یہ رقم وصول کرکے پھر اسی بینک میں جمع کروادیتا ہے۔ بینک اکاؤنٹ کھول کر یہ رقم اس کے کھاتے میں لکھ دیتا ہے۔ اب بینک کے کھاتے میں ٹوٹل دو کروڑ اکہتر لاکھ روپے جمع ہوگئے۔

10000000+9000000+8100000 =27100000

یہ طریقہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور بینک تھوڑے زر سے بہت زیادہ زر تخلیق کرلیتا ہے۔بینک اسی طرح ہر ڈیپازٹ کا دس فیصد الگ کرکے باقی نوے فیصد قرض دیتا رہتا ہے اور یوں وہ ایک کروڑ روپے سے مزید نو کروڑ تخلیق کرلیتا ہے۔

حقیقی زر=10000000روپے

مصنوعی زر=90000000روپے

حقیقی شکل میں بینک کے پاس اب بھی صرف ایک کروڑ روپے ہی موجود ہیں، لیکن فریکشنل ریزرو بینکنگ کی مدد سے بینک نے اسی ایک کروڑ کی مدد سے نو کروڑ روپے مزید تخلیق کر لیے۔ یہ مصنوعی زر ہے جس کا اندراج صرف کھاتوں میں ہے، حقیقی شکل میں اس زر کا کوئی وجود نہیں۔[1]

نتائج:

1۔ فریکشنل ریزرو بینکنگ میں خطرات بہت زیادہ ہیں، کیونکہ یہ سسٹم مصنوعی طور پر زر پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کھاتے داروں کی اکثریت بینک سے پیسے کا مطالبہ کردے تو بینک اسے پورا نہیں کرسکے گا اور مجبوراًدیوالیہ ہو جائے گا۔مثلاً اگر بینک کے پاس حقیقی زر ایک کروڑ روپے ہے لیکن اس نے مصنوعی طور پر نو کروڑ مزید تخلیق کیا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بینک کے پاس کھاتے داروں کے کل دس کروڑ جمع ہیں۔ اب اگر تمام کھاتے دار بینک کے پاس دس کروڑ روپے لینے پہنچ جائیں تو بینک انہیں یہ ادائیگی نہیں کرسکے گا۔ کیونکہ بینک کے پاس حقیقی زر ایک کروڑ روپے ہے، باقی نو کروڑ روپیہ اس نے مصنوعی طور پر پیدا کیا ہے۔ جب اس طرح کی صورت حال پیدا ہو جائے تو بینک عام طور پر پیسہ واپس کرنے سے انکار کردیتے ہیں اور دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ ماضی میں پیدا ہوئے معاشی بحرانوں کا اصل اور بنیادی سبب یہی تھا۔

[1] Scholars, Modern Money Mechanics (Federal Reserve Bank of Chicago, USA, 2011), 6

2۔ بینک جب بھی قرض دیتا ہے تو اس پر سود وصول کرتا ہے۔ فریکشنل ریزرو سسٹم میں بینک یہ سود حقیقی زر کے علاوہ مصنوعی زر پر بھی وصول کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بینک نے ایک کروڑ سے جو مزید نو کروڑ تخلیق کیے ہیں وہ ان سب پر سود وصول کرے گا۔ اب یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس زر کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں بینک اس پر بھی سود وصول کر رہا ہے۔

3۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زر بذات خود مقصود نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو مقصود تک پہنچنے کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے ہم ضرورت کی اشیاء خریدتے ہیں اور سروسز کا معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ فریکشنل ریزرو بینکنگ میں ہوتا یہ ہے کہ زر کی سپلائی بڑھ جاتی ہے جبکہ اشیاء وخدمات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زر کی قوتِ خرید مسلسل کم ہو کر اشیاء وخدمات کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اشیاء وخدمات کی قیمتوں کے بڑھنے اور زر کی قوتِ خرید کے کم ہونے کو ہم مہنگائی سے تعبیر کرتے ہیں۔

4۔ فریکشنل ریزرو بینکنگ میں بینک یہ کرتا ہے کہ دس فیصد اپنے پاس ریزرو رکھ کر باقی قرض دیتا ہے۔ اگر اسے ہم تکنیکی طور پر دیکھیں تو یہ سائیکل کبھی نہ رکے، لیکن اگر ریاضی کے حساب سے ہم اس کی اوسط نکالیں تو وہ نو گنا بنتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بینک نو گنا زر تخلیق کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پچھلی مثال میں دیکھا کہ بینک نے ایک کروڑ سے نو کروڑ مزید تخلیق کر لیے۔ یہ تفصیل تب ہے جب فریکشن ریٹ دس فیصد ہو، اگر بینک کا فریکشن ریٹ اس سے مختلف ہو تو زر کی تخلیق کے تناسب میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ہر ملک کا فریکشن ریٹ الگ ہوتا ہے اور یہ جتنا کم ہو بینک اتنا ہی زیادہ قرض دے سکتا ہے اور مصنوعی طور اتنا ہی زیادہ زر تخلیق کر سکتا ہے۔

فل ریزرو بینکنگ:

فل ریزرو بینکنگ (Full Reserve Banking) کا مطلب یہ ہے کہ بینک کے پاس جتنے ریزرو موجود ہیں بینک صرف اتنا ہی قرض دے، اس سے زیادہ قرضہ دینا اس کے لیے ممنوع ہو۔

اگر بینک کو صرف فل ریزروبینکنگ کی اجازت ہو تو پھر وہ مصنوعی زر تخلیق نہیں کر سکے گا اور نہ ہوائی انداز میں زر کو سرکولیشن میں لا سکے گا۔

ہم مثال کے ذریعے اسے سمجھتے ہیں: ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں جو وہ بینک میں جمع کروانا چاہتا ہے۔ بینک کہتا ہے کہ اس میں سے آپ ہمیں نوے ہزار ادھار دے دیں جس کے بدلے ہم آپ کو سود دیں گے۔ وہ شخص معاہدہ کرلیتا ہے اور یوں اب ایک سال کے لیے وہ بینک سے نوے ہزار کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اب بینک کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں۔ اس میں سے دس ہزار بینک نے اپنے پاس ریزرو میں رکھے جو وہ عند الطلب ادا کرنے کا پابند ہے اور باقی نوے ہزار استعمال کرنے میں بینک ایک سال تک آزاد ہے۔ اب کوئی شخص بینک کے پاس نوے ہزار کا قرض لینے کے لیے آتا ہے۔ بینک اسے اس شرط کے ساتھ قرض دیتا ہے کہ دس ماہ کے اندر اندر بمع سود واپسی ہو جانی چاہیے۔ پھر دس ماہ بعد وہ شخص بمع سود قرض واپس کر دیتا ہے۔ یوں بینک کو نوے ہزار بمع سود مل جاتے ہیں۔ سال پورا ہونے کے بعد بینک پہلے آدمی کو وعدے کے مطابق ایک لاکھ بمع سود واپس کر دیتا ہے۔ اس صورت میں شرح سود کا فرق بینک کا منافع ہوتا ہے۔ بینک جب قرض دیتا ہے تو شرح سود زیادہ ہوتی ہے اور جب قرض لیتا ہے تو شرح سود کم ہوتی ہے۔ ان دونوں شرحوں کا فرق ہی بینک کا منافع ہوتا ہے۔[1]

اس مثال میں ہم نے دیکھا کہ بینک اتنا ہی قرض دے رہا ہے جتنے اس کے پاس ریزرو موجود ہیں اور کوئی مصنوعی طور پر زر کی تخلیق نہیں ہو رہی۔ یعنی بینک نے جب ادائیگی کرنا ہو تو اس کے پاس اتنے ریزرو موجود ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس سسٹم میں افراطِ زر کی نوبت نہیں آتی اور نہ ہی کرنسی کی قدر کم ہوتی ہے۔

---

[1] Scholars, Modern Money Mechanics (Federal Reserve Bank of Chicago, USA, 2011), 6

فریکشنل ریزرو بینکنگ اور فل ریزرو بینکنگ کے فرق کو ہم یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ فل ریزرو بینکنگ کی صورت میں بینک نے مخصوص وقت میں جن لوگوں کو ادائیگیاں کرنی ہوتی ہیں اتنی رقم بینک کے پاس ریزرو میں موجود ہوتی ہے، جبکہ فریکشنل ریزرو بینکنگ میں ایسا نہیں ہوتا یعنی بینک کے پاس ریزرو میں اتنی رقم موجود نہیں ہوتی کہ وہ ایک وقت میں سب کی ادائیگیاں کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کھاتے داروں کی اکثریت بینک سے پیسہ واپس لینے پہنچ جائے تو بینک انہیں ادائیگی نہیں کر سکے گا۔

تخلیقِ زر کی بنیاد قرض:

ہمارے موجودہ معاشی نظام کی ایک عجیب اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ اس میں تخلیقِ زر کا عمل صرف اور صرف قرض کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ موجودہ دور میں زر صرف کاغذی کرنسی کو سمجھا جاتا ہے کیونکہ پوری دنیا میں یہی کرنسی بطور آلہ تبادلہ استعمال ہو رہی ہے جس پر عوام بھی اعتماد کرتے ہیں اور حکومت بھی اسے قانونی ٹینڈر قرار دیتی ہے۔ اب ہم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ قرض سے زر کی تخلیق کیسے ہوتی ہے۔

پہلے گزر چکا کہ زر کی تخلیق کا ایک طریقہ وہ کاغذی نوٹ ہیں جنہیں مرکزی بینک جاری کرتا ہے۔ بینک نوٹ چھاپنے کا یہ عمل خود سے نہیں کرتا بلکہ حکومت ضرورت پڑنے پر بینک سے قرض طلب کرتی ہے جس کے نتیجے میں بینک نوٹ چھاپ کر حکومت کو قرض دیتا ہے اور بدلے میں حکومت سے اتنی ہی مالیت کے بانڈ وصول کرتا ہے۔ بانڈ دراصل اس قرض کی دستاویز کا نام ہے جو حکومت نے بینک سے اس وعدے کے ساتھ وصول کیا کہ مستقبل میں بینک کو یہ رقم واپس کی جائے گی۔ اس سارے عمل کے نتیجے میں اگر یہ سوال کیا جائے کہ زر کی تخلیق کیوں عمل میں آئی تو جواب ہوگا قرض کی وجہ سے یعنی حکومت کا بینک سے قرض طلب کرنا تخلیق زر کا سبب بنا اور یہی نیا تخلیق شدہ زر بنیادی طور پر حکومت کے ذمے قرض ہے۔[1] فرض کریں کہ حکومتِ پاکستان شدید ضرورت پڑنے پر سٹیٹ بینک سے دس

[1] Michael McLeay, Amar Radia & Ryland Thomas, Money Creation in Modern Economy

ارب روپے قرض کا مطالبہ کرتی ہے۔ بینک ان کے مطالبے کو منظور کرتے ہوئے دس ارب کے نئے نوٹ چھاپ کر حکومت کے حوالے کر دیتا ہے اس وعدے کے ساتھ کہ حکومت بینک کو یہ رقم واپس کرے گی اور بینک بطور دستاویز حکومت سے دس ارب کے بانڈ وصول کر لیتا ہے۔ اس مثال میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دس ارب کا جو نیا زر تخلیق کیا گیا وہ سارے کا سارا حکومت کے ذمے قرض ہے۔ گویا نئے تخلیق شدہ زر کی بنیاد قرض ہے اور قرض ہی سے زر کی تخلیق ہوئی ہے۔

زر کی تخلیق کا دوسرا طریقہ فریکشنل ریزرو بینکنگ ہے جس میں بینک لوگوں کی جمع شدہ رقم کا ایک مخصوص حصہ الگ کر کے باقی سب دوسروں کو قرض دے کر نیا زر تخلیق کرتا ہے۔ اس طریقہ کار کی تفصیل گزر چکی کہ مثلاً بینک کے پاس اگر ایک ارب کے ڈیپازٹ ہیں تو وہ اس میں سے دس فیصد الگ کر کے باقی نوے کروڑ دوسروں کو قرض دے دیتا ہے اور یہ نوے کروڑ جو قرض پر دیے گئے بینک کی طرف سے تخلیق کیا گیا نیا زر ہے جو اس نے وصول کرنا ہے اور جس کا اندراج بینک کے کھاتے میں ہو چکا ہے۔ پھر بینک نوے ہزار کا دس فیصد یعنی نو ہزار ریزرو میں رکھ کر باقی اکیاسی ہزار قرض دے دیتا ہے اور یہ اکیاسی ہزار بھی نیا تخلیق شدہ زر ہے جسے بینک نے وصول کرنا ہے اور جس کا اندراج بینک کے کھاتوں میں ہو چکا ہے۔ یہ عمل اسی طرح چلتا ہے یہاں تک کہ بینک ایک ارب حقیقی زر سے مزید نو ارب تخلیق کر لیتا ہے۔ اس سارے عمل میں نوٹ کیجیے کہ زر کی تخلیق قرض سے ہوئی یعنی بینک نے قرض دے کر زر تخلیق کیا۔ بینک جب قرض دیتا ہے تو وہ دراصل زر تخلیق کرتا ہے۔ اگر بینک نے نو ارب کا قرض دیا ہے تو اس کا مطلب اس نے نو ارب زر تخلیق کیا ہے۔

اس تفصیل سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جدید معاشی نظام میں یہ بات کافی حد تک درست ہے کہ زر نام ہے قرض کا اور قرض نام ہے زر کا۔ اس نظام میں زر صرف بینک تخلیق کرتا ہے اور یہ تخلیق صرف اور صرف قرض کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ معاشی نظام میں

(Bank of England, London, 2014), 1

جتنا زیادہ قرض ہوگا اتنا ہی زیادہ زر ہوگا اور جتنا زیادہ زر ہوگا اتنا ہی زیادہ قرض ہوگا۔ اس کا عملی تجربہ موجودہ دور میں یوں ہو سکتا ہے کہ ایک خاص مدت میں کسی بھی ملک کی زر کی سپلائی اور اسی مدت میں لیا گیا قرض دونوں کو دیکھ لیا جائے تو وہ تقریباً برابر ہوں گے۔ امریکا سے متعلق ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 1950 سے 2006 تک امریکا میں زر کی سپلائی میں جتنا اضافہ ہوا اسی مدت میں قرض کی مد میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی شخص کی جیب میں ایک ڈالر کا نوٹ ہے تو وہ اگرچہ زر ہے لیکن ساتھ ہی قرض بھی ہے جو اس نے کسی دوسرے کو ادا کرنا ہے اور دوسرے نے کسی تیسرے کو۔

موجودہ دور میں زر صرف ایک ہی طریقے سے وجود میں آسکتا ہے اور وہ ہے قرض۔ اب چاہے یہ قرض بینک نوٹ چھاپ کر دے یا فریکشنل ریزروبینکنگ کے طریقے سے دے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک ملک میں بسنے والے تمام لوگ اور حکومت اپنا قرض ادا کر دیں تو ملک میں ایک روپیہ یا ڈالر بھی سرکولیشن میں نہ رہے، کیونکہ سارا زر قرض میں چلا جائے گا اور پیچھے کچھ بھی نہیں بچے گا۔ مثال کے طور پر اگر امریکا میں حکومت اور تمام لوگ اپنا اپنا قرض ادا کرنے کی ٹھان لیں تو وہاں ایک ڈالر بھی سرکولیشن میں نہیں رہے گا۔ امریکا کے فیڈرل ریزرو بینک کے گورنر Marriner Eccles نے 1941 میں کہا تھا:

> "If there were no debts in our money system there wouldn't be any money."[1]

> "اگر ہمارے نظامِ زر میں قرض نہ رہے تو زر بھی نہیں رہے گا۔"

سود:

حکومت جب بھی مرکزی بینک سے قرض وصول کرتی ہے یا ایک عام آدمی جب بھی کسی بینک سے قرض پر رقم لیتا ہے تو انہیں لازمی طور پر اصل رقم سے زائد سود ادا کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے

[1] http://libertytree.ca/quotes/Marriner.Eccles.Quote.B64E

الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تقریباً ہر ایک ڈالر جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ بینک کو سود سمیت واپس کرنا لازمی ہے کیونکہ یہ تمام زر بینک نے قرض کے ذریعے تخلیق کیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مرکزی بینک اور دوسرے بینکوں نے قرض دے کر جو زر تخلیق کیا ہے اور جسے سرکولیشن میں لے آکر آئے ہیں وہ تو اصل رقم (principal) ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زر کہاں ہے جو بینک نے سود (interest) کی شکل میں وصول کرنا ہے اور جسے حکومت و عوام نے اصل رقم سے زائد ادا کرنا ہے؟ اس کا جواب یہ کہ وہ حقیقت میں کہیں بھی نہیں ہے یعنی سود کی رقم جو بینک نے وصول کرنی ہے اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں اور نہ ہی وہ سرکولیشن میں ہے۔ سرکولیشن میں صرف وہ زر ہے جو بینکوں نے قرض کی صورت میں دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اور عوام کے ذمے بینکوں کا واجب الاداء زر اس زر سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے جو سرکولیشن میں ہو۔ اس لیے کہ واجب الاداء زر مجموعہ ہے اصل رقم اور سود کا، جبکہ سرکولیشن میں دستیاب زر صرف اصل رقم ہے جو بینکوں نے قرض کی صورت میں دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موجودہ معاشی نظام میں زر کی سپلائی ہمیشہ کم ہوتی ہے اور واجب الاداء قرضے اس سے کہیں زیادہ یعنی سرکولیشن میں موجود زر کم ہوتا ہے اور جو زر بینکوں نے وصول کرنا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت زیادہ۔

اسے ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں: فرض کریں کہ مرکزی بینک اور دیگر بینکوں نے کل ملا کر ایک کھرب ڈالر قرض کی بنیاد پر تخلیق کیے یعنی بینک حکومت اور عوام کو قرض دے کر ایک کھرب ڈالر سرکولیشن میں لے آئے۔ اب بینکوں نے یہ قرض سود سمیت واپس لینا ہے جس کی شرح مختلف ممالک میں الگ الگ ہے۔ فرض کریں کہ بینکوں نے پانچ فیصد شرح کے ساتھ سود وصول کرنا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بینکوں نے ایک کھرب ڈالر کے ساتھ پانچ ارب اضافی وصول کرنے ہیں۔ اب یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ اس وقت کل زر جو سرکولیشن میں ہے وہ ایک کھرب ہے جبکہ باقی کے پانچ ارب ڈالر جو بینک نے سود کی مد میں وصول کرنے ہیں اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں اور نہ ہی یہ رقم سرکولیشن میں ہے۔

جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے کہ واجب الاداء رقم اس زر سے زیادہ ہو جائے جو سر کولیشن میں ہے تو پھر افراطِ زر ہو جانا ناگزیر ہے۔ افراطِ زر کا مطلب ہے زر کی بہتات اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب واجب الاداء قرضوں اور سود کو ادا کرنے کے لیے رقم نہ ہو اور اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے مصنوعی زر تخلیق کیا جائے یعنی نوٹ چھاپے جائیں۔ یہ بات طے ہے کہ جس معاشی نظام کی بنیاد قرض اور سود پر ہو گی وہاں افراطِ زر ضرور ہو گا۔ اسی وجہ سے موجودہ معاشی نظام میں زر کی قدر کا بر قرار رہنا ممکن ہی نہیں۔ مصنوعی تخلیقِ زر اور سود کی وجہ سے زر کی قدر کا مسلسل گرتے رہنا ایک لازمی امر ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اسے ہم بہت آسانی سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے بینک میں بیس سال پہلے ایک لاکھ روپیہ جمع کروایا تھا تو تب اس کی ویلیو کچھ اور تھی جبکہ آج اسی ایک لاکھ کی ویلیو 70 فیصد سے بھی زیادہ گر کر تیس ہزار کے قریب رہ گئی ہے اور آئندہ یہ ویلیو مزید گرے گی اور اس سب کی وجہ ہے ہمارا موجودہ معاشی نظام جس کی بنیاد مصنوعی زر، قرض اور سود پر رکھی گئی ہے۔

موجودہ نظامِ زر بہت بڑا دھوکہ ہے:

دجال اور دجالی نظام کی ایک بڑی خصوصیت دھوکہ و فریب، تلبیس اور ملمع سازی ہے۔ آدمی کو ظاہر میں ایک چیز خوشنما نظر آتی ہے لیکن اس کا باطن انتہائی تاریک ہوتا ہے۔ واقعات جس طرح سے ظہور پذیر ہوتے دکھائی دیتے ہیں حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ دجال کو انسانی تاریخ کا سب سے بڑا فتنہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے وہ ملمع سازی اور دجل و فریب کا سب سے بڑا پیشوا ہو گا۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور سمجھدار لوگ بھی اس کے فریب اور دھوکے کو سمجھنے سے قاصر ہوں گے اور وہ جب چیزوں اور واقعات کو خوشنما اور ملمع کرکے دکھائے گا تو بہت سے لوگ اس کے جال میں پھنس جائیں گے اور مصنوعی وضرر آمیز چیزوں کو حقیقی اور مفید سمجھ کر قبول کرلیں گے۔

دنیا کا موجودہ نظامِ زر بھی دجالی فتنے کی ایک کڑی اور اس کا ایک لازمی حصہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب دجال خروج کرے گا تو زمین کے خزانے اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ وہ جہاں چاہے گا بارش برسا کر زمین کو سرسبز وشاداب کردے گا اور جہاں چاہے گا بارش روک کر زمین کو بنجر کردے گا۔ وہ جسے چاہے گا مالامال کردے گا اور جسے چاہے گا اسے فقر وفاقہ میں مبتلا کردے گا۔[1]

اس حدیث کے تناظر میں اگر ہم موجودہ نظامِ زر کا جائزہ لیں تو یہ بات عیاں ہے کہ اس وقت دولت وزر کی تخلیق کا اختیار صرف بینکوں کے پاس ہے یعنی بینکار پوری دنیا کی دولت کے مالک بنے ہوئے ہیں اور انہیں یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں۔ تخلیقِ زر کی قدرت ایک ایسا ہتھیار ہے جس کی بدولت بڑی آسانی سے دنیا کی معیشت کو قابو کیا جاسکتا ہے اور جس کے پاس دولت وزر تخلیق کرنے کا اختیار ہے اس کے پاس گویا پوری دنیا کی معیشت کو کنٹرول کرنے کی چابی ہے۔ اس کے بل بوتے پر وہ جسے چاہے نوازے اور جسے چاہے دھتکارے۔ آج کے دور میں دیکھا جائے تو اس وقت پوری دنیا پر امریکی ڈالر کی حکمرانی ہے جسے امریکہ کا ایک نیم سرکاری ادارہ فیڈرل ریزروبینک تخلیق کرتا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک آپس کی عالمی تجارت اسی کرنسی میں کرنے پر مجبور ہیں۔ عجیب بات ہے کہ امریکہ جب سعودی عرب سے تیل خریدتا ہے تو بجائے سعودی ریال یا سونے کے اپنی ہی بنائی ہوئی کرنسی میں خریدتا ہے اور اگر کوئی اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرات کرے تو اسے اپنے خلاف اعلانِ جنگ سمجھتا ہے۔ چونکہ امریکہ کی کرنسی اس وقت سب سے طاقتور ہے اور اس نے پوری دنیا کی معیشت پر اپنا پنجا جمایا ہوا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ بہت سے ملکوں کو کھلے الفاظ میں دھمکی دیتا ہے اور بڑی ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ اگر ہماری بات نہ مانی گئی تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔ یہ دھمکی فوج کشی کی

[1]۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1422ھ) رقم الحديث:2937

Muslim ibn al-Hajjaj, Sahih Muslim (Dar Ihya al-Turath al-Arabi, Beirut, 1422 AH), Hadith No: 2937

نہیں، بلکہ اقتصادی و معاشی غنڈہ گردی کی دی جاتی ہے اور ہوتا یہ ہے کہ امریکہ اس ملک کے ساتھ ڈالر میں لین دین کرنے پر پابندی لگا دیتا ہے۔ گزشتہ سالوں میں شمالی کوریا اور ایران پر اس قسم کی پابندیاں لگائی جاچکی ہیں۔[1] چونکہ اس وقت پوری دنیا میں عالمی تجارت امریکی ڈالر میں ہو رہی ہے تو اس پابندی کے نتیجے میں وہ ملک سخت معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے، وہ نہ درآمدات کر سکتا ہے اور نہ ہی برآمدات جبکہ ملکی معاشی ترقی کا بڑا انحصار برآمدات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ برآمدات سے ہی ملک میں زرمبادلہ آتا ہے اور اس دور میں زرمبادلہ یعنی ڈالر وغیرہ جیسی مضبوط کرنسی کے زیادہ سے زیادہ ذخائر ہونے کو ہی ملکی ترقی و خوشحالی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ موجودہ نظامِ زر کا ایک مزید دھوکہ ہے کہ کاغذی کرنسی جس کی اپنی ذاتی کوئی ویلیو نہیں اس کے ذخائر کو ملکی ترقی کی علامت سمجھا جارہا ہے۔

اس وقت جو حیثیت امریکی ڈالر کی ہے وہی حیثیت کچھ دہائیاں پہلے تک برطانوی پاؤنڈ کی تھی لیکن تب کاغذی کرنسی کی پشت پر سونا ہوا کرتا تھا اس لیے کسی نہ کسی حد تک اسے قابلِ قبول سمجھا جاسکتا تھا، لیکن 1944 میں بریٹن ووڈز معاہدے کے ذریعے دنیا کی تمام کرنسیوں کی سونے کے ساتھ وابستگی ختم کردی گئی اور طے یہ پایا کہ صرف امریکی ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ ہوگا یعنی اگر کوئی مطالبہ کرتا ہے تو امریکہ اسے ڈالر کے بدلے سونا دینے کا پابند ہوگا۔ یوں اس معاہدے کے ذریعے گولڈ سٹینڈرڈ کا خاتمہ ہوا اور اس کی جگہ ڈالر کو گلوبل کرنسی تسلیم کرلیا گیا۔ اس کے بعد 1971 میں امریکی صدر نکسن نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈالر کے بدلے سونا دینے سے انکار کردیا اور یوں ڈالر کی سونے کے ساتھ وابستگی بھی ختم ہوگئی اور اب کاغذی کرنسی صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بن کر رہ گئی جس کی نہ اپنی ذاتی قدر ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی قانون اس کے بدلے سونا دینے کا پابند ہے۔

---

[1] https://www.bbc.com/news/world-middle-east-68848438

بریٹن ووڈز سسٹم:

مناسب ہو گا کہ یہاں بریٹن ووڈز معاہدے کے اسباب و محرکات اور اس کے عواقب و نتائج کا ذکر بھی کر دیا جائے، کیونکہ یہ معاہدہ عالمی معیشت اور نظامِ زر کو تبدیل کرنے والا ایک انتہائی اہم واقعہ تھا جس کے اثرات آج تک پوری دنیا میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔

یہ سن 1944 کی بات ہے جب امریکہ کے ایک شہر بریٹن ووڈز میں 44 ممالک کے 730 مندوبین عالمی مالیاتی نظام سے متعلق ایک اہم کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں امریکہ کے علاوہ کینیڈا، آسٹریلیا، انگلینڈ، فرانس اور دیگر بہت سے ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

اس کانفرنس کا ایجنڈا یہ تھا کہ مستقبل میں دنیا کا عالمی مالیاتی نظام کیا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے پہلے 1910 کی دہائی میں پہلی جنگِ عظیم ہو چکی تھی اور اب دوسری جنگِ عظیم دنیا پر مسلط تھی جس کی وجہ سے دنیا کے تمام ممالک سخت معاشی بدحالی سے دوچار تھے۔ پہلی جنگ عظیم تک دنیا کے اکثر ممالک گولڈ سٹینڈرڈ کو اپنائے ہوئے تھے یعنی اگرچہ کاغذی کرنسی کا رواج تھا لیکن اس کرنسی کی پشت پر سونا موجود ہوا کرتا تھا جسے حکومت عند الطلب ادا کرنے کی پابند تھی۔ لیکن جب پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی تو حکومتوں کے لیے اخراجات کو پورا کرنا مسئلہ بن گیا اور وہ زیادہ مقدار میں کرنسی نوٹ چھاپنے پر مجبور ہوئے تاکہ ریاستی و جنگی اخراجات کو پورا کر سکیں۔ زیادہ کرنسی چھاپنے کی وجہ سے Hyperinflation ہو گیا یعنی زر کی سپلائی اس کی ڈیمانڈ سے بہت زیادہ ہو گئی۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو کرنسی کی قدر بری طرح گر جاتی ہے اور بسا اوقات ایک معمولی سی چیز خریدنے کے لیے تھیلے بھر بھر کر کاغذی کرنسی میں ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔ اس کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ بہت بڑی تعداد میں ایسی کرنسی وجود میں آ گئی جس کی پشت پر سونا نہیں تھا اور وہ محض کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس کے بدلے حکومت سونا ادا نہیں کر سکتی تھی۔ بہر حال اس جنگ کے خاتمے کے بعد حکومتوں نے دوبارہ کوشش کر کے گولڈ سٹینڈرڈ کو قائم رکھا یہاں تک کہ سن 1929 میں انسانی تاریخ کا بہت بڑا عالمی معاشی بحران

پیدا ہوا جسے Great Depression کہا جاتا ہے۔ اس دوران اسٹاک مارکیٹ کریش کر گئی اور انویسٹر اپنا پیسہ نکال کر سامان اور اجناس کی تجارت کرنے لگے۔ کاغذی کرنسی پر عدمِ اعتماد کی وجہ سے سونے کی ڈیمانڈ میں اضافہ ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سونے کی قیمت بہت اوپر چلی گئی۔[1] پھر 1939 میں دوسری جنگِ عظیم شروع ہونے کی وجہ سے معاشی حالات ایک بار پھر تنزلی کی طرف جانے لگے۔ ان حالات میں امریکہ نے بہت سے ملکوں کو اکٹھا کیا تاکہ پوری دنیا کے لیے ایک مستقل عالمی مالیاتی نظام تشکیل دیا جائے اور اس میں خاص طور نظامِ زر کے حوالے سے اہم فیصلے ہوں۔

چنانچہ جولائی 1944 میں اس موضوع پر کئی دن تک کانفرنس کا انعقاد رہا اور آخر میں جس معاہدے پر سب نے دستخط کیے اس کا خلاصہ یہ ہے:

- تمام ممالک گولڈ سٹینڈرڈ کا خاتمہ کر دیں گے یعنی کاغذی نوٹ کی سونے کے ساتھ وابستگی ختم کر دی جائے گی اور کوئی بھی ملک اپنی کرنسی کے بدلے سونا دینے کا پابند نہیں ہو گا۔
- ہر ملک کی کرنسی بجائے سونے کے ڈالر کے ساتھ وابستہ ہو گی اور ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ ہو گا۔ ڈالر کی سونے کے ساتھ وابستگی کا مطلب یہ کہ کوئی بھی ملک اگر امریکہ سے ڈالر کے بدلے سونے کا مطالبہ کرتا ہے تو امریکہ اسے دینے کا پابند ہو گا۔ چونکہ اس معاہدے کے نتیجے میں ہر ملک کی کرنسی براہِ راست ڈالر کے ساتھ وابستہ ہو گئی اس لیے ڈالر ایک گلوبل کرنسی بن گیا۔
- ہر کرنسی کا ڈالر کے ساتھ فکسڈ ایکسچینج ریٹ ہو گا جس کی نگرانی ہر ملک کا مرکزی بینک کرے گا۔ اگر کسی ملک میں کرنسی کی قدر ڈالر کے مقابلے میں طے شدہ ایکسچینج ریٹ سے کم ہونے لگے تو مرکزی بینک کرنسی نوٹ خرید لے گا تاکہ سپلائی کم ہونے کی وجہ سے کرنسی کی قدر میں

[1] https://www.britannica.com/event/Great-Depression

اضافہ ہو۔ اسی طرح اگر ڈالر کے مقابلے میں کسی ملک میں کرنسی کی قدر طے شدہ ایکسچینج ریٹ سے بڑھنے لگے تو مرکزی بینک زیادہ نوٹ چھاپ کر سپلائی بڑھادے گا تاکہ کرنسی کی قدر میں کمی آجائے اور مطلوبہ ایکسچینج ریٹ برقرار رہے۔

- اس مالیاتی نظام کو قابلِ عمل بنانے اور اس کی نگرانی کے لیے دو ادارے قائم کیے جائیں گے جن میں سے ایک International Monetary Fund (IMF) اور دوسرا ورلڈ بینک ہوگا۔[1]

یہ ہیں بریٹن ووڈز معاہدے کے بنیادی نکات جس کے نتیجے میں دنیا پر ایک نیا مالیاتی نظام مسلط کر دیا گیا۔ اس نئے سسٹم کے تحت دنیا سے گولڈ سٹینڈرڈ کا خاتمہ ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی نظامِ زر جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک باقی تھا اسے ختم کر دیا گیا اور اب دنیا ایک نئے عالمی قانون کے تحت مصنوعی نظامِ زر میں داخل ہو گئی۔ گولڈ سٹینڈرڈ کو حقیقی نظامِ زر اس وجہ سے کہا گیا کہ اس کی بنیاد سونے پر رکھی گئی تھی جو ایک حقیقی زر ہے اور جس کی اپنی ذاتی قدر ہر دور میں مسلم رہی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں بریٹن ووڈز سسٹم کو مصنوعی نظامِ زر اس وجہ سے کہا گیا کہ اس کی بنیاد کاغذی کرنسی پر رکھی گئی اور یہ ایسا زر ہے جس کی اپنی ذاتی کوئی قدر نہیں۔

لیکن ابھی تک کاغذی کرنسی مکمل طور پر سونے سے آزاد نہیں ہوئی تھی، کیونکہ بریٹن ووڈز معاہدے میں ڈالر کو سونے سے وابستہ کیا گیا تھا یعنی قانونی طور پر امریکہ ڈالر کے بدلے سونا دینے کا پابند تھا۔ لیکن امریکہ کی معاشی غنڈہ گردی ملاحظہ کیجیے کہ اس نے چند سالوں بعد ہی اس معاہدے کو یک طرفہ طور پر توڑ دیا اور امریکہ کے صدر نکسن نے 1971 میں اعلان کر دیا کہ آج سے ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ

[1] https://www.federalreservehistory.org/essays/bretton-woods-created

نہیں ہو گا اور امریکہ اپنی کرنسی کے بدلے سونا دینے کا پابند نہیں ہے۔[1] یوں حقیقی نظامِ زر کا آخری تنکا جو ڈالر کی سونے کے ساتھ وابستگی کی صورت میں باقی رہ گیا تھا اس اعلان کے بعد وہ بھی سیلاب کی نذر ہو گیا اور اب دنیا میں کوئی بھی کرنسی سونے، چاندی یا کسی بھی قیمتی چیز کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ ایسی کرنسی جسے حکومت نے قانونی ٹینڈر قرار دیا ہو اور جس کی پشت پر کوئی قیمتی چیز جیسا کہ معدنیات وغیرہ نہ ہو اسے Fiat Currency کہا جاتا ہے، لہذا اس کے بعد سے دنیا کی تمام کاغذی کرنسیاں Fiat Currency قرار پائیں۔

اس معاہدے کو توڑنے کے ظاہری اسباب اس طرح پیدا ہوئے کہ امریکہ میں اس زمانے میں بہت زیادہ افراطِ زر اور کساد بازاری پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں بیروزگاری میں اضافہ ہوا اور معاشی ترقی رک گئی۔ امریکی صدر نے حالات کے پیشِ نظر ڈالر کی ویلیو سونے کے مقابلے میں گرادی اور ایک اونس سونے کی قیمت 38 ڈالر سے بڑھ کر 42 ڈالر ہو گئی۔ ایسا کرنے سے حالات اور زیادہ خراب ہو گئے کیونکہ لوگوں میں ڈالر کی قیمت مزید گرنے کا خوف پیدا ہو گیا، چنانچہ کثیر تعداد میں لوگ ڈالر کے بدلے سونا لینے پہنچ گئے جبکہ امریکہ اتنی بڑی مقدار میں سونا نہیں دے سکتا تھا۔ آخرکار امریکی صدر کو ڈالر کی سونے کے ساتھ وابستگی ختم کرنے کا اعلان کرنا پڑا۔ اس اعلان کے فوری بعد اوپن مارکیٹ میں ایک اونس سونے کی قیمت 120 ڈالر تک پہنچ گئی اور حکومت قیمتوں کو کنٹرول نہ کر سکی۔ یوں اس اعلان کے ساتھ ہی بریٹن ووڈز معاہدے کا بھی اختتام ہوا۔[2]

بریٹن ووڈز سسٹم کے دنیا پر اثرات:

عالمی مالیاتی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے بریٹن ووڈز معاہدہ اہم ترین موڑ ثابت ہوا، کیونکہ اسی معاہدے کے بعد دنیا ایک غیر حقیقی اور مصنوعی نظامِ زر کو قبول کرنے پر مجبور ہوئی۔ اگرچہ کاغذی

[1] https://www.investopedia.com/terms/b/brettonwoodsagreement.asp

[2] https://www.thebalance.com/bretton-woods-system-and-1944-agreement-3306133

کرنسی کارواج اس سے پہلے بھی تھا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ قانونی طور پر ان کرنسیوں کو سونے سے آزاد کر دیا جائے۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا کی تمام کرنسیوں کی سونے سے وابستگی ختم کر کے انہیں ایک ملک کی کرنسی ڈالر کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ڈالر ایک عالمی اور گلوبل کرنسی بن جائے۔ تمام کرنسیوں کو ڈالر کے ساتھ وابستہ کرنے پر امریکہ نے اس لیے زور دیا کہ اس وقت امریکہ کے پاس سب سے زیادہ تقریباً دو تہائی سونے کے ذخائر موجود تھے۔ اس معاہدے نے دنیا کی معیشت و سیاست پر بہت گہرے نقوش چھوڑے ہیں جن میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

1. اس معاہدے کے نتیجے میں تمام کرنسیوں کی قیمت ڈالر کے حساب سے طے ہونے لگی یعنی اگر کسی کرنسی کی قدر معلوم کرنی ہو تو بجائے سونے اور چاندی کے ساتھ نسبت دیکھنے کے اس کرنسی کی نسبت ڈالر کے ساتھ دیکھی جانے لگی یعنی یہ دیکھا جاتا کہ ڈالر کے ساتھ اس کا ایکسچینج ریٹ کیا ہے۔ گویا نظامِ زر "گولڈ سٹینڈرڈ" سے "ڈالر سٹینڈرڈ" کی طرف شفٹ ہو گیا۔ البتہ ابھی تک ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ تھا اور اس معاہدے میں ایک اونس سونے کی قیمت 35 ڈالر طے کی گئی۔

2. اس معاہدے کے ذریعے تمام کرنسیوں کو سونے کی بجائے ڈالر سے وابستہ کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کرنسیاں ڈالر کی محتاج ہو گئیں اور ڈالر کو ایک طرح سے تمام کرنسیوں پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔ جب بھی کوئی ملک کسی دوسرے ملک کی کرنسی پر کنٹرول حاصل کر لے تو سمجھ جانا چاہیے کہ وہ اس کی معیشت، صنعت و تجارت اور دولت پر حاوی ہو چکا ہے۔ اس معاہدے کے ذریعے دراصل امریکہ اور اس کے بینکار دنیا بھر میں اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتے تھے جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

3. اس معاہدے کے ذریعے غلامی کی ایک نئی قسم کی بنیاد رکھی گئی جو اس سے پہلے ہارڈ کرنسی یعنی سونا اور چاندی کے ہوتے ہوئے ممکن نہ تھی۔ غلامی کی اس قسم میں انسان غلام نہیں ہوتے بلکہ ان کی کرنسی غلام ہوتی ہے اور جب کرنسی غلام ہو جائے تو پوری معیشت غلام ہو جاتی ہے۔ اس معاہدے نے پوری دنیا کو امریکہ کا معاشی غلام بنا دیا۔

4. کاغذی کرنسی کی ایک خصوصیت اس کا قابلِ تخلیق ہونا ہے یعنی یہ قدرتی زر نہیں بلکہ اسے خود سے تخلیق کیا جاتا ہے اور ایسی کرنسی ہمیشہ اپنے تخلیق کنندہ کے کنٹرول میں ہوتی ہے اور اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ اسی وجہ سے کرنسی تخلیق کرنے والے بینکار معیشت پر مکمل کنٹرول رکھتے ہیں۔ اس کے بالمقابل سونے اور چاندی کو قابلِ تخلیق زر نہ ہونے کی وجہ سے کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ یہ قدرتی معدنیات ہیں اور انہیں انسان تخلیق نہیں کرتے اس لیے یہاں نہ تخلیق کنندہ کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے کنٹرول کرنے کا۔

5. یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ بریٹن ووڈز معاہدے کے بعد اگلے چند سالوں میں دنیا کی ساری کالونیوں کو ایک ایک کر کے آزاد کر دیا گیا کیونکہ اس معاہدے کے بعد اب نو آبادیاتی نظام کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اب پیراڈائم شفٹ اس طرح سے ہو گیا تھا کہ دنیا پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے سیاسی اقتدار نہیں، بلکہ مالیاتی اقتدار ہی کافی تھا۔ نظامِ زر پر کنٹرول حاصل کرنے کا مطلب دنیا پر کنٹرول حاصل کرنا ہو چکا تھا۔ امریکہ، برطانیہ اور دیگر طاقتور ممالک نے بہت سے ملکوں کو سیاسی طور پر اس لیے آزاد کر دیا کہ اس معاہدے کے نتیجے میں اب ان کے ہاتھ ایسا ہتھیار لگ چکا تھا کہ وہ وہاں بیٹھے خاموشی کے ساتھ ان پر حکومت کر سکتے

تھے اور ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے انہیں اپنا محکوم بناسکتے تھے۔ یہ ایک ایسی محکومیت ہے جس میں غلام کو علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ محکوم ہے۔

نکسن شاک:

اول تو بریٹن ووڈز معاہدہ ہی غلط تھا کیونکہ اس کے ذریعے محض چند طاقتور ممالک کو فائدہ پہنچایا گیا اور سب سے زیادہ پاور امریکہ کو شفٹ کر کے اکثر ملکوں کو مالیاتی طور پر امریکہ کا غلام بنادیا گیا۔ لیکن اس غلامی میں مزید اضافہ تب ہوا جب سن 1971 میں امریکہ نے یک طرفہ طور پر اس معاہدے کو توڑ دیا اور دنیا کو ڈالر کے بدلے سونا دینے سے انکار کر دیا۔ چونکہ امریکی صدر نکسن نے معاہدہ توڑنے کا اعلان کیا تھا اس لیے اس واقعے کو "نکسن شاک" کہا جاتا ہے۔

سونا دینے سے انکار کا مطلب ڈالر کو کاغذی ردی میں تبدیل کرنا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے تمام ممالک ڈالر اس لیے خریدتے تھے کہ معاہدے کے مطابق امریکہ اس کے بدلے سونا دینے کا پابند تھا جو کہ حقیقی زر ہے اور اربوں ڈالر جو دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کی پشت پر سونا تھا جسے امریکہ سے کبھی بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔ لیکن جب امریکہ نے سونا دینے سے انکار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اربوں ڈالر کو کاغذی ردی میں بدل دیا۔ اس وقت تک امریکہ ڈالر کے بدلے عربوں سے اتنا تیل خرید چکا تھا کہ اگر امریکہ نے سونے میں ادائیگی کی ہوتی تو اس کے سارے ذخائر بھی اس کے لیے ناکافی ہوتے۔ اس اعلان کے بعد عربوں کے پاس موجود اربوں ڈالر کسی کام کے نہ رہے کیونکہ وہ اس کے ذریعے حقیقی زر یعنی سونا نہیں خرید سکتے تھے۔

بریٹن ووڈز معاہدے کی رو سے اصولاً امریکہ صرف اتنے ہی ڈالر چھاپ سکتا تھا جتنے اس کے پاس سونے کے ذخائر موجود تھے کیونکہ ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ تھا اور معاہدے میں طے کیا گیا تھا کہ امریکہ ڈالر کے بدلے سونا دینے کا پابند ہے، لہٰذا سونے کے موجود ذخائر سے زیادہ ڈالر چھاپنے کا مطلب یہ تھا کہ ایسا مصنوعی زر تخلیق کیا جائے جس کی پشت پر کسی قسم کا سونا نہ ہو اور پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ امریکہ

عند الطلب سونے کی ادائیگی کا وعدہ پورا نہ کر سکے۔ چنانچہ یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور امریکہ نے اس اصول کو توڑتے ہوئے اپنے پاس موجود سونے کے ذخائر سے کئی گنا زیادہ ڈالر چھاپ دیے۔ اعداد و شمار کے مطابق 1966 تک امریکہ اپنے پاس موجود سونے کے ذخائر سے کئی گنا زیادہ ڈالر چھاپ چکا تھا۔ امریکہ کے پاس موجود سونے کے ذخائر کی مالیت 13.2 ارب ڈالر تھی جبکہ صرف دوسرے ملکوں کے پاس 14 ارب ڈالر موجود تھے اور امریکہ کے پاس موجود ڈالرز کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ اس وقت امریکہ صرف 3.2 ارب ڈالرز مالیت کا سونا دوسرے ملکوں کو دے سکتا تھا، باقی 10 ارب ڈالرز کا سونا ملکی ادائیگی کے لیے تھا۔[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ امریکہ نے کئی ارب ڈالر کا زر مصنوعی طور پر تخلیق کیا تھا اور یہ ایسے ڈالر تھے جن کی پشت پر سونا نہیں تھا۔

1971 میں جب افراطِ زر کی وجہ سے ڈالر کی قدر گرنے لگی تو بہت سے ملکوں نے ڈالر کے بدلے سونے کا مطالبہ کر دیا اور امریکہ کو مجبوراً چند ملکوں کو سونا ادا کرنا پڑا۔ چنانچہ سوئٹزرلینڈ نے 5 کروڑ ڈالر کا 44 ٹن سونا امریکہ سے وصول کیا اور فرانس نے 19 کروڑ ڈالر کا 170 ٹن سونا وصول کیا۔[2] یہ محدود ادائیگی بھی امریکہ نے پریشر میں آ کر کی تھی، ورنہ کوئی بھی ملک اتنی آسانی سے سونے کے ذخائر دینے پر راضی نہیں ہوتا۔ جب سونے کا مطالبہ بہت زیادہ ہونے لگا تو امریکی صدر نکسن کو اعلان کرنا پڑا کہ آئندہ ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ نہیں ہوگا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی دنیا ایک نئے مالیاتی نظام میں داخل ہو گئی اور کاغذی کرنسی کی سونے کے ساتھ وابستگی بالکل ہی ختم کر دی گئی۔ اب ڈالر سمیت ہر کرنسی Fiat کہلائی جس کی پشت پر کوئی حقیقی زر نہیں تھا اور یہ مصنوعی کاغذی زر پوری دنیا پر مکمل طور پر مسلط کر دیا گیا اور حقیقی زر یعنی سونے چاندی کو مالیاتی نظام سے مکمل طور پر خارج کر دیا گیا۔ بینکار جو خواب ایک عرصے سے دیکھ رہے تھے کہ کسی طرح

[1] https://www.imf.org/external/np/exr/center/mm/eng/sc_sub_3.htm

[2] David Frum, How We Got Here: The 70's: The Decade that Brought You Modern Life (Basic Books, 2008) 295

کاغذی کرنسی سونے سے مکمل طور پر آزاد ہو جائے ان کا یہ خواب اس اعلان کے بعد پورا ہوا اور یوں بینکار زر تخلیق کرنے میں پوری طرح آزاد ہو گئے۔ چنانچہ اب زر تخلیق کرنے کا اختیار صرف اور صرف مرکزی بینکوں کے پاس ہے اور جس کے پاس تخلیقِ زر کا اختیار اور اتھارٹی ہو اسے آج کے دور میں بے تاج بادشاہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ وہ مالیاتی نظام پر مکمل کنٹرول رکھنے کے ساتھ ساتھ سیاست و قانون پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

بریٹن ووڈز سسٹم کے آغاز یعنی 1944 سے لے کر اس کے اختتام یعنی 1970 تک دنیا میں "فکسڈ ایکسچینج ریٹ سسٹم" رائج رہا یعنی تمام کرنسیاں امریکی ڈالر کے ساتھ ایک فکسڈ ریٹ کے ساتھ وابستہ تھیں اور ڈالر سونے کے ساتھ ایک فکسڈ ریٹ کے ساتھ وابستہ تھا۔ ایک ڈالر کا فکسڈ ریٹ 35/1 اونس سونا تھا یعنی 35 ڈالر کے بدلے امریکہ ایک اونس سونا دینے کا پابند تھا۔[1] لیکن 1971 کے بعد یہ مالیاتی نظام "فلوٹنگ ایکسچینج ریٹ سسٹم" میں تبدیل ہو گیا جس میں کوئی بھی کرنسی دوسرے کے ساتھ فکسڈ ریٹ کے ساتھ وابستہ نہیں رہی اور نہ ہی ڈالر سونے کے ساتھ وابستہ رہا، بلکہ اس سسٹم میں کرنسیوں کا آپس میں ریٹ فارن ایکسچینج مارکیٹ کے بہت سے عوامل اور حالات و واقعات کی بنا پر طے ہوتا ہے اور بدلتا رہتا ہے۔

موجودہ نظامِ زر سے متعلق ماہرین کی آراء:

ماقبل میں ہم نے موجودہ نظامِ زر کی حقیقت اور خاص طور پر تخلیقِ زر کے طریقہ کار کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اس سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ تخلیقِ زر موجودہ دور کا مؤثر ترین ہتھیار ہے اور جس کے پاس زر کو تخلیق کرنے کی اتھارٹی ہے اس کے پاس گویا دنیا کو کنٹرول کرنے کا لائسنس ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نظامِ زر کے حوالے سے چند ایسے لوگوں کی شہادتیں بھی نقل

[1] https://history.state.gov/milestones/1969-1976/nixon-shock

کر دی جائیں جو ماضی میں خود اس نظام کا حصہ رہے یا جو بینکاری اور تخلیقِ زر کے نظام پر گہری نظر رکھتے تھے۔

1۔ بینک آف انگلینڈ کے صدر "Sir Josiah Stamp" جو 1920 کی دہائی میں انگلینڈ کے دوسرے مالدار ترین آدمی تھے انہوں نے یونیورسٹی آف ٹیکساس میں اپنی تقریر کے دوران کہا تھا:

> ”جدید نظام بینکاری بغیر کسی خرچ کے زر بناتا ہے۔ یہ آج تک بنائی گئی غالباً سب سے بڑی شعبدہ بازی ہے۔ بینکنگ عدم مساوات کے ساتھ بنائی گئی اور گناہ میں پیدا ہوئی۔ بینک مالکان پوری دنیا کے مالک ہیں۔ اگر یہ دنیا ان سے چھن بھی جائے لیکن ان کے پاس زر بنانے کا اختیار باقی رہے تو وہ ایک قلم کی جنبش سے اتنا زر بنا لیں گے کہ دوبارہ دنیا خرید لیں۔ زر بنانے کی یہ عظیم طاقت ان سے چھین لو تو ان کی ساری دولت غائب ہو جائے گی اور تب یہ دنیا رہنے کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ خوشی کی جگہ ہو گی۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ بینک مالکان کی غلامی کرتے رہو اور اپنی غلامی کی قیمت بھی ادا کرتے رہو تو بینک مالکان کو زر بنانے دو اور قرضے کنٹرول کرنے دو۔“[1]

2۔ مشہور جرمن بینکار Mayer Amschel Rothschild کہتا ہے:

> "Give me control of a nation's money and I care not who makes the laws[2]."

> ”مجھے کسی ملک کے زر کو کنٹرول کرنے دو پھر مجھے پرواہ نہیں کہ قانون کون بناتا ہے۔“

یعنی اسے علم تھا کہ زر پر مکمل کنٹرول حاصل کرنا گویا ملک و قوم کو اپنے قابو میں کرنا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہتا ہے کہ زر پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ قانون کون بناتا ہے کیونکہ ایسی طاقت کے ہوتے ہوئے ہر قانون کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے:

> "Who controls the issuance of money controls the government"[3]

---

[1] https://ancientbankingsecret.com/blog/

[2] http://quotes.liberty-tree.ca/quote/mayer_amschel_rothschild_quote_8bed

[3] https://www.brainyquote.com/quotes/nathan_meyer_rothschild_502389

"جو زر کی تخلیق کو کنٹرول کرتا ہے وہ حکومت کو کنٹرول کرتا ہے۔"

3۔ امریکہ کے مشہور صنعت کار اور بزنس مین Henry Ford نے 1922 میں کہا تھا:

"It is well enough that people of the nation do not understand our banking and monetary system, for if they did, I believe there would be a revolution before tomorrow morning."[1]

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ملک کے عوام بینکاری اور مالیاتی نظام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے کیونکہ اگر وہ یہ سب کچھ جانتے تو مجھے یقین ہے کہ کل صبح سے پہلے بغاوت ہو جاتی۔"

4۔ امریکہ کے سابق صدر Thomas Jefferson بینکنگ سسٹم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"I believe that banking institutions are more dangerous to our liberties than standing armies... The issuing power of currency shall be taken from the banks and restored to the people, to whom it properly belongs."

"میرا یقین ہے کہ بینکنگ سسٹم ہماری آزادی کے لیے مقابلے میں کھڑی فوج سے زیادہ خطرناک ہے۔۔۔ کرنسی جاری کرنے کی طاقت بینک سے واپس لے کر عوام کو دینی چاہیے جو واقعی اس کے حقدار ہیں۔"

5۔ مشہور برطانوی ماہر معاشیات John Maynard Keynes کا مشہور مقولہ ہے:

"By a continuing process of inflation governments can confiscate, secretly and unobserved, an important part of the wealth of their citizens. By this method they not only confiscate, but they confiscate arbitrarily; and, while the process impoverishes many, it

[1] https://www.brainyquote.com/quotes/henry_ford_136294

actually enriches some."[1]

"مسلسل نوٹ چھاپ کر حکومت نہایت خاموشی اور رازداری سے اپنے عوام کی دولت کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر سکتی ہے۔ اس طریقے سے وہ اپنے من مانے طریقے سے قبضہ کرتی ہے۔ یہ طریقہ اکثریت کو غریب بنادیتا ہے مگر چند لوگ امیر ہو جاتے ہیں۔"

خلاصہ کلام:

گزشتہ صفحات میں ہم نے اس موضوع پر بات کی کہ موجودہ زمانے میں زر کی تخلیق کیسے اور کیونکر ہوتی ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ آج کے دور میں زر تخلیق کرنے کا اختیار صرف بینک کے پاس ہے: وہ کبھی نوٹ چھاپ کر زر تخلیق کرتا ہے اور کبھی فریکشنل ریزرو بینکنگ کے ذریعے۔ دونوں صورتوں میں فائدہ صرف بینک کا ہوتا ہے جبکہ حکومت اور عوام ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں۔ گزشتہ تفصیل سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ تخلیقِ زر کا عمل صرف قرض کے ذریعے ممکن ہے اور بغیر قرض لیے موجودہ دور میں زر تخلیق نہیں ہوتا۔ اس کا ایک مزید نقصان قرض پر سود کی ادائیگی ہے جو حکومت اور عوام پر ایک اضافی بوجھ ہے اور یہ ایسا بوجھ ہے جس کی ادائیگی کے لیے سرکولیشن میں موجود زر بھی ناکافی ہے۔ پھر ہم نے موجودہ نظامِ زر کی ایک اور خرابی بریٹن ووڈز سسٹم کا ذکر بھی کیا جس میں جبری طور پر گولڈ سٹینڈرڈ کا خاتمہ کرکے دنیا کی تمام کاغذی کرنسیوں کو ڈالر کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ یہ ایک معاشی ایٹم بم تھا جو دنیا پر گرایا گیا اور جس کے اثرات آج تک محسوس کیے جارہے ہیں۔ پھر 1971 میں نکسن شاک کے نتیجے میں ڈالر کی سونے کے ساتھ وابستگی بھی ختم کر دی گئی اور یوں عملی طور پر پوری دنیا میں کاغذی کرنسی ہی قانونی کرنسی بن گئی جس کی پشت پر آج کچھ بھی نہیں ہے اور جو صرف کاغذ کا ٹکڑا ہے اور بس۔

[1] https://www.goodreads.com/quotes/813942-lenin-is-said-to-have-declared-that-the-best-way

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مصنوعی نظامِ زر کا متبادل کیا ہے اور کونسا ایسا سسٹم ہے جس کو اپنانے سے دنیا میں معاشی استحکام اور انصاف کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی چیز کو زر بنانے سے معاشی نظام درست ہو گا جس کی اپنی ذاتی قدر ہو، کیونکہ زر اور کرنسی ایسی چیز کو ہونا چاہیے جو اپنی ذاتی قدر رکھتی ہو اور جس کی ویلیو کو پوری دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہو جیسے سونا اور چاندی کہ ان کی ویلیو جس طرح ہزاروں سال پہلے تھی اسی طرح آج بھی ہے باوجود اس کے کہ انہیں قانونی زر نہیں سمجھا جاتا۔ فرض کریں کہ اگر سونے کی کرنسی کو معیار بنالیا جائے کہ تمام ممالک صرف اسی دھات کی کرنسی بنائیں گے تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ کوئی کرنسی کسی دوسری کرنسی سے بالاتر نہیں رہے گی اور معاشی اجارہ داری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ دھاتی کرنسی پوری دنیا کی تجارت اور لین دین میں استعمال ہو سکے گی اور کوئی اسے لینے سے انکار نہیں کرے گا، کیونکہ دھات کی اپنی ذاتی قدر ہے جو پوری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے۔